عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقہ کار اور اس کے تقاضے

مولانا محمد تقی امینیؒ کے اَفکار کا خصوصی مطالعہ

پروفیسر محمد انس حسّان☆

مولانا محمد تقی امینی کے حالاتِ زندگی

مولانا محمد تقی امینی ۲۲؍شوال ۱۳۲۴ھ بمطابق ۵؍مئی ۱۹۲۶ء لکھنؤ سے متصل ضلع بارہ بنکی کے مشہور قصبہ ''سُبَیحہ'' میں پیدا ہوئے۔ خاندان کے لوگ جس بزرگ کے معتقد تھے انہوں نے ''محی الدین'' نام تجویز کیا۔ گھر والے ''تقی الدین'' کے نام سے پکارتے اور شہرت ''محمد تقی'' سے ہوئی۔ امینی کی نسبت نظریۂ امانت کی طرف ہے۔ اپنے والدین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''والدِ ماجد کا نام عبدالحلیم تھا جو اپنے اخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی میں ممتاز تھے۔ خدمتِ خلق اور قربانی کا جذبہ بے مثال تھا۔ والدہ ماجدہ ایک نہایت مخیّر اور صاحبِ ثروت بزرگ کی صاحبزادی' نہایت دیندار اور خداترس تھیں۔'' (۱)

ابتدائی تعلیم علاقہ کے قریبی مدرسہ میں حاصل کی۔ قرآن مجید کے حفظ اور ابتدائی درجہ کی عربی و فارسی کتب اسی مدرسہ میں پڑھیں۔ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''جب عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو خاندانی دستور کے مطابق والد صاحب نے قصبہ کے دینی مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بٹھایا' جس میں حفظ وقراءات کی تکمیل کی اور عربی علوم وفنون کی بیشتر کتابیں اس مدرسہ میں پڑھیں۔ اس کے بعد ''جامع العلوم کانپور'' میں دینی علوم وفنون کی اور آخر میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' سے فضیلت وتکمیل کی سند حاصل کی۔''(۲)

دیگر محبّ وشفیق اساتذہ کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۳ء) سے خاص طور پر فیض حاصل کیا۔ مولانا کو اپنے اساتذہ کی محنت اور شفقت کا پوری طرح احساس تھا' یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام اساتذہ کی بالعموم اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی بالخصوص بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''اساتذہ نے نہایت محبت وشفقت اور دل سوزی سے تعلیم وتربیت میں حصہ لیا۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ان میں قاری محمد یامین' صوفی افضل علی اور مفتی محمد کفایت اللہ (مفتی اعظم ہند) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جن کی علمی وعملی تربیت اور حوصلہ افزائی نے زندگی کو وہ متاعِ گراں مایہ دیا کہ جس کا بدل دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔''(۳)

☆ شعبہ اسلامیات' گورنمنٹ کالج' جہانیاں' پاکستان۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف مدارسِ دینیہ میں دینی علوم وفنون کی تعلیم دی' لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب پاک و ہند کی تقسیم کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ اس افراتفری میں کسی جگہ بھی جم کر پڑھانے کا موقع نہ ملا۔ ۱۹۶۴ء میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۰۸ء۔۱۹۸۵ء) کے کہنے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے آئے اور آخر وقت تک تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اپنی تدریسی زندگی کے حوالہ سے مولانا خود رقمطراز ہیں:

''تعلیم کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی' دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامع العلوم کانپور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ لیکن چونکہ وہ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا' افراتفری پھیلی ہوئی تھی' مسلمان انتشار کا شکار تھے' کسی ایک جگہ جم کر سال چھ مہینہ سے زیادہ کام نہ کر سکا۔ ۱۹۵۰ء میں ناگپور (مہاراشٹر) چلا گیا' وہاں تقریباً چھ سال مدرسہ فرقانیہ اور ہائی اسکول میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں دار العلوم معینیہ (درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ) اجمیر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرر ہوا۔ وہاں تقریباً ۷ سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں بالخصوص حدیث شریف پڑھاتا رہا۔ ۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آیا۔ یہاں درس وتدریس اور نظامت دینیات کی خدمت سپرد ہے۔''(۴)

مولانا کی طبیعت ۱۹۸۸ء سے خراب رہنے لگی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور علاج معالجہ کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی اور بالآخر ۴/رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۲۱/جنوری ۱۹۹۱ء یہ عظیم المرتبت فقیہ' جس کی تمام زندگی جُہدِ مسلسل کا عملی نمونہ تھی' علی گڑھ کے مقام پر اس ہستی عدم نما سے ہستی عدم کی طرف کوچ کر گیا۔ کل ۶۵ برس کی عمر پائی اور علی گڑھ ہی میں مدفون ہیں۔

مولانا تقی امینیؒ کی دینی خدمات

مولانا امینیؒ نے بہت سی معرکۃ الآراء کتب اور یادگار مقالات چھوڑے ہیں۔ ان میں سے اکثر کتب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے اور وہ عرب دنیا میں بہت مقبول ہیں(۵)۔ اپنی تصنیفی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''پہلے تصنیف وتالیف سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ قیامِ ناگپور کے زمانہ میں قرآنِ حکیم میں غور وفکر کا موقع ملا۔ وہیں سب سے پہلے ایک کتابچہ ''اسلامی برادری'' کے نام سے ترتیب دیا۔ پھر ''اسلام کا زرعی نظام'' اور ''عروج وزوال کا الٰہی نظام'' لکھا۔ اجمیر منتقل ہونے کے بعد اس سلسلہ کو مزید ترقی ہوئی۔ چنانچہ ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر''، ''مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر''، ''لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر'' جیسی ضخیم کتابیں اور بہت سے مقالات لکھے' جن میں بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر پڑھے گئے۔ مثلاً ''فقہ کی تدوینِ جدید''، ''اجتہاد''، ''موجودہ دور کے اجتماعی مسائل''، ''کائنات میں انسان کا مقام''، ''موجودہ مسائل کس طرح حل کیے جائیں؟'' وغیرہ۔''(۶)

مولانا امینیؒ نے تصنیف وتالیف کا ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا جس کا نام ''علم وعرفان'' تھا۔ اس ادارہ نے من جملہ کتب مذکورہ دیگر بہت سی کتب بھی شائع کیں۔ مولانا امینی کی تصنیفات کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

(۱) اسلام کا زرعی نظام (۲) عروج وزوال کا الٰہی نظام

(۳) حدیث کا درایتی معیار (۴) اجتہاد کا تاریخی پس منظر
(۵) مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (۶) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر
(۷) لادینی دور کا تاریخی پس منظر (۸) احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت
(۹) اسلام اور جدید دور کے مسائل (۱۰) اسلامی برادری
(۱۱) ہدایت القرآن(۷)

مولانا محمد تقی امینی ان علماء میں سے تھے جنہوں نے موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا بلکہ اس باب میں اپنی خدماتِ جلیلہ سے ایک تاریخ رقم کی۔ مولانا تمام زندگی برصغیر کے مسلمانوں کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اس حوالہ سے سوچنے اور کام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس حوالہ سے مولانا کی تمام زندگی ایک جُہدِ مسلسل سے عبارت تھی اور تادمِ آخر وہ اپنی اس ذمہ داری کو فرض سمجھتے ہوئے نبھاتے رہے۔ مولانا نے اپنے مخصوص اسلوبِ تحریر میں فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ سے استخراج کر کے جدید فقہی مسائل کے حل کی شاندار روایت ڈالی ہے۔ وہ ایک قابل قدر محقق تھے اور فقہ اسلامی میں ان کو کمال درجہ کا تفقہ حاصل تھا۔ ہندوستان میں تو ان پر کچھ تحقیقی کام ہوا ہے(۸) لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں ان کے کام کا تعارف صحیح طور پر سامنے نہیں آ سکا(۹)۔ مولانا امینی نے جس زمانے میں فقہ اسلامی کی تشکیل جدید اور اجتہاد کے عمومی تقاضوں پر بات کی تھی‘ اس وقت سے اب تک اس میدان میں بہت کچھ پیش رفت ہوئی ہے اور عصرِ حاضر میں اجتہاد کے کئی نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے معروضی حالات میں اس حوالے سے جو کام مولانا امینی نے کیا ہے ہم اس سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پائے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصرِ حاضر میں ان کے اجتہادی نظریات کا تعارف کراتے ہوئے اس سے استفادے کی عملی صورت پیش کریں۔

اجتہاد کا معنی و مفہوم

اجتہاد ایک بے لاگ اور انتھک کوشش کا نام ہے۔ گویا اس میں احکام ادلّہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور دینی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح احکامات کی تشریح و توضیح کی جاتی ہے جو زمانہ سے مطابقت رکھتے ہوئے بھی دین کی روح کے خلاف نہ ہوں۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۶ء) نے اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ’’اجتہاد کے لغوی معنی امکانی کوشش صرف کرنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس امکانی کوشش کے صرف کرنے کا نام ہے جو دلائل شرعیہ کے ذریعے استنباطِ احکام کے لیے کی جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ کوشش جو مذکورۃ الصدر اصولِ اساسی کی وساطت سے احکامِ شرع کے استخراج کے لیے کی جائے۔‘‘(۱۰)

ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجتہاد کے معنی میں ’’انتہائی کوشش‘‘ کے مفہوم کی وضاحت بڑے دلکش انداز میں پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ’’اجتہاد کے لفظی معنی ہیں انتہائی کاوش اور انتہائی کوشش۔ یہ انتہائی کا لفظ اس مفہوم میں شامل ہے۔ فقہاء

نے اس کی تعریف کی ہے ''استفراغ الوسع'' استفراغ کے معنی ہیں ایگزاسٹ کرنا اور وسع کے معنی ہیں صلاحیت۔ انگریزی میں اجتہاد کے مفہوم کو بیان کرنا ہو تو یوں کہا جائے گا:

To exhaust your capacity to discover Shariah ruling about a new situation in the light of the Quran and Sunnah.

یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی صورت حال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کر ڈالنا' علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد یا سکت باقی نہ رہے' اس عمل کا نام اجتہاد ہے۔(۱۱)

پروفیسر ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لغوی معنی ہیں کوشش کرنا' لیکن فقہی اصطلاح میں اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو کسی ایسے شرعی مسئلہ میں آزادانہ اور بے لاگ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے جس کی پوری صراحت قرآنِ حکیم یا حدیث میں موجود نہ ہو لیکن جس کی اساس روح' مذہب نیز معاشرہ کے تقاضوں پر مبنی ہو۔''(۱۲)

اس پر مزید روشنی مولانا محمد تقی امینیؒ نے ان الفاظ میں ڈالی ہے:

''قوانینِ شرعیہ کی دریافت میں پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا۔ یہ دریافت تفصیل دلائل سے حاصل ہوتی ہے اور ان دلائل کا مرجع کتاب وسنت' اجماع اور قیاس ہیں۔''(۱۳)

جہاد اور اجتہاد کا مادہ ایک ہے۔ اجتہاد اور جہاد ان معنوں میں بھی ربط وتعلق رکھتے ہیں کہ دونوں کا تعلق منشائے الٰہی کے مطابق حرکتِ حیات کے زیر اثر تبدیلیوں سے دوچار ہونا ہے۔ جہاد کا میدان مکان ہے اور اجتہاد کا تعلق زبان اور نفس انسانی سے ہے' اگرچہ زمان کے ساتھ مکان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اجتہاد کی ضرورت واہمیت

اسلام دینِ فطرت ہونے کے باوصف انسانی زندگی کے جملہ شعبوں میں اس کی رہنمائی ورہبری کرتا ہے۔ چونکہ زمانہ تغیّر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئی پیچیدگیاں لا رہا ہے' ایسے حالات میں مسلمانوں کے دینی ومذہبی راہنماؤں کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچ وفکر کی قوتوں کو جامد ومقید رکھتے ہوئے دنیا اور اس کے مسائل سے الگ تھلگ رہیں اور عوام الناس کو زمانے کی ٹھوکروں اور آسمانی ہدایت سے آزاد خود ساختہ انسانی سوچوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ شریعت کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی مسائل اور نئے پیش آنے والے معاملات کا قابل عمل حل تجویز کیا جائے۔ یقیناً اس دوسرے راستے میں ہی مسلمانوں کی بقا ہے جو اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد شریعتِ اسلامیہ میں بنیادی اصول ہونے کے باوجود معیار کے اعتبار سے مختلف ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ علماءِ سلف نے اجتہاد کے بنیادی تصورات پر غور وخوض کیا ہے۔ پروفیسر محمد عثمان کے مطابق:

''اسلامی قانون سازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک اجتہاد کے تین درجے تھے' کامل آزادی کے ساتھ قانون سازی' محدود آزادی جو کسی مخصوص مذہب فقہ کی حدود کے اندر کام میں لائی جاسکتی ہے' اور وہ مخصوص آزادی جو محض ان مسائل میں استعمال کی جاسکے جس کا فقہ کے

بانیوں نے خود کوئی حل تجویز نہ کیا ہو۔‘‘(۱۴)

ہر دور کا ایک ذہن اور ہر عہد کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ذہن اور مزاج کی مناسبت سے ہر کام کے موقع و محل اور اس کی سمتوں کی تعیین ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا تعلق بھی بڑی حد تک موقع و محل سے ہے۔ قومی و جماعتی زندگی کے ادوار بدلتے رہتے ہیں۔ اس بنا پر اجتہاد کے موقع و محل اور اس کی سمتوں میں بھی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجتہدین نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا' البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی قوم و ملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ حیاتِ انسانی میں بعض اوقات کچھ ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں' لیکن بعد کے دور میں ان کی ویسی اہمیت نہیں رہتی۔ اسی طرح بعض ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں لیکن بعد کے دور میں اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ اس حوالے سے مولانا امینی لکھتے ہیں:

> ’’ایک مبصر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ضرورت کو اس کے درجہ اور مقام میں رکھ کر اس کو عملی جامہ پہنائے۔ مجددین نے احیائے دین کی کوششوں میں اس فطری اصول کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔ جس دور میں جس ’’ضرورت‘‘ کی جتنی اہمیت دیکھی ’’اجتہادات‘‘ میں اس کو ویسا ہی مقام دیا۔‘‘(۱۵)

مسلمانوں کا المیہ رہا ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسنین کو پہچاننے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں۔ یہ معاملہ ہمارے فقہاء مجدّدین کے ساتھ بھی پیش آیا' یعنی ان کے اجتہادات قوم کی بے بضاعتی اور عدم توجہی کی نذر ہو گئے۔ بعض مجددین نے فقہی مسائل کی طرف بھی توجہ کی اور بعض جزئیات میں حالات کی مناسبت سے تبدیلی کا مشورہ دیا' لیکن قوم اپنی بے بضاعتی اور بے بصری کی وجہ سے ان مشوروں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی اور وہ متفردات و مخصوصات بن کر رہ گئے۔ قوم کی اس عدم صلاحیت کی وجہ سے ان مجتہدین کی زندگی کا اجتہادی پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا اور یہ خیال عام ہو گیا کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ فقہاء کے مابین اختلاف رائے کو اگر متبادل رائے سمجھا جاتا تو شاید یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ مولانا امینی لکھتے ہیں:

> ’’موجودہ دور میں ایک طبقہ جو اجتہاد کا پُرزور حامی ہے' وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے اس کی نظر میں عملاً اجتہاد کا دروازہ ایسا بند ہے کہ اس کی کنجی تک گم ہو چکی ہے۔‘‘(۱۶)

مولانا کے نزدیک فقہاء نے اجتہاد کے لیے کافی سامان فراہم کر دیا ہے۔ اصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں' کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے' کام کر کے دکھایا ہے' یہ سب کچھ ایک مرتب و مدوّن شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہو گی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

اجتہاد کی اقسام

مولانا امینیؒ نے اجتہاد کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجتہد بھی اس حوالے سے تین اقسام پر ہوں گے۔

(۱) اجتہاد فی الشرع (شریعتِ اسلامی میں اجتہاد)
(۲) اجتہاد فی المذہب (فقہی مذاہب میں اجتہاد)
(۳) اجتہاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد)

(۱) اجتہاد فی الشرع (شریعتِ اسلامی میں اجتہاد): اجتہاد فی الشرع کے دو درجہ ہیں:
(۱) مجتہد مستقل (مجتہد مطلق)
(۲) مجتہد منتسب (کسی مجتہد مطلق سے نسبت رکھنے والا مجتہد)

مولانا کے نزدیک مجتہد مستقل وہ ہے جس کو ان اصول وکلیات (اجتہادی مآخذ) میں ردّ و بدل اور تصرف کا اختیار ہو جن پر احکام ومسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور مجتہد منتسب وہ ہے جو بغیر کسی تصرف کے مقررہ اصول و کلیات کو تسلیم کرتا ہو اور مسائل کے استخراج میں انہی اصول سے کام لیتا ہو۔

(۲) اجتہاد فی المذہب (فقہی مذاہب میں اجتہاد): مولانا کے مطابق اس کا درجہ پہلے کے مقابلہ میں کمتر سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مجتہد فی المذہب وہ ہے جو مشہور ائمہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہو‘ اصول وفروع میں اسی کی اتباع کرتا ہو۔لیکن اندھی تقلید نہ ہو‘ بلکہ عقل وبصیرت کی روشنی میں مسائل کو قبول کرتا ہو اور ان بنیادوں سے واقف ہو جن پر مسائل کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔اس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے اور ایسے مجتہد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس امام کی وہ اقتدا کرتا ہے اسی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے مطابق اجتہاد کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

(۳) اجتہاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد): مولانا امینیؒ کے نزدیک مجتہد فی المسائل وہ ہے جو اپنے امام کے مسلک کا متبحّر عالم ہو اور مختلف اقوال وتوجیہات میں دلائل و براہین کے ذریعہ کسی ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو۔اس کا درجہ اجتہاد فی المذہب سے بھی کمتر ہے۔اجتہاد فی المسائل میں مختلف اقوال کی تطبیق کرنا ہوتی ہے اور کسی ایک کو ترجیح دینا ہوتی ہے۔اسی ’’وجہ ترجیح‘‘ کا نام اجتہاد ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

’’اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فقہ میں اجتہاد صرف نئے مسائل کے حل کرنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ مسائل کی باہمی تطبیق وترجیح کا نام بھی اجتہاد ہے۔‘‘(۱۷)

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا دائرۂ کار

انسانی زندگی کے معاملات کی دو اقسام ہیں:
(۱) وہ جس کا تعلق عقائد‘ عبادات‘ اخلاق وغیرہ یعنی انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔
(۲) وہ جس کا تعلق معاشرت‘ معاشیات وسیاسیات وغیرہ یعنی ملکی قانون سے ہے۔

ان دونوں اقسام پر مولانا کا تبصرہ یہ ہے:

’’عوام کا زیادہ تر تعلق پہلے حصہ سے ہے۔اس میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ موجودہ حالت میں قوم تبدیلی کی متحمل ہو سکتی ہے۔صرف جدید ترتیب قائم کرنے اور بعض مباحث کو مقدم ومؤخر کرنے سے یہ کام ہو جائے گا۔ اور اگر اس میں بھی کانٹ چھانٹ کی گئی تو تبدیلی کی ذہنیت عوام میں سرایت

کر جائے گی اور قانون کا وقار ان کے دل سے نکل کر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی۔ دوسرے حصہ میں کافی غور و خوض کے بعد نقشہ مرتب ہو سکے گا‘ جس میں حالات و تقاضہ کے مطابق نئی ترتیب قائم کرنا‘ نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور جن مباحث کو زمانہ کے مفتی نے ختم کر دیا ہے‘ ان کو ترتیب سے نکال دینا وغیرہ امور شامل ہیں۔‘‘(۱۸)

مولانا امینؒ کے نزدیک پہلے حصہ میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ صرف جدید ترتیب قائم کرنے سے کام چل جائے گا۔ البتہ دوسرے حصہ میں غور و خوض کے بعد حالات اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ چنانچہ انہی موضوعات پر اجتہاد کرنا فائدہ مند ہوگا اور انہی پر اجتہاد کرنے کی ضرورت بھی ہے۔

گزشتہ صدی میں یہ سوال ابھر کر سامنے آیا کہ درپیش مسائل کے حوالہ سے کل فقہی ذخیرہ سے استفادہ کیا جائے اور جملہ مسالک کے اجتہادی مسائل جو عصرِ حاضر سے مطابقت رکھتے ہوں‘ ان کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ نے ’’**مجلة الاحکام العدلیه**‘‘(۱۹) کے نام سے کتاب مدون کی جس میں جملہ مسالک سے استفادہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا (۱۹۰۱ء۔۱۹۹۹ء) نے بھی ’’**موسوعة الفقه الاسلامی**‘‘(۲۰) کے نام سے ۴۰ مجلّدات پر مشتمل کتاب مدون کی۔ اسی طرز پر مصر نے بھی ’’**موسوعة الفقه الاسلامی**‘‘ کی تدوین کی۔ اگرچہ ان کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن عملی طور پر ان کے زیادہ دوررس نتائج برآمد نہ ہوئے۔ جدید مسائل کے اجتہادی حل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی نئی فقہ کے حوالے سے وہ مختلف مسالک کو ملا کر کسی نئی فقہ کی تشکیل کے فی زمانہ حامی نہیں ہیں‘ اس لیے کہ امت ابھی اس کام کی متحمل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینؒ لکھتے ہیں:

’’دراصل قومی و جماعتی زندگی کا وہ وقت نہایت نازک ہوتا ہے جب اس کو ایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لایا جاتا ہے۔ اگر اس میں دوسرے مقام کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے اور پہلے سے بھی وہ اکھڑ چکی ہے تو نتیجہ لازمی طور سے ذہنی طوائف الملوکی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔‘‘(۲۱)

مزید لکھتے ہیں:

’’مسلم قوم میں ابھی اس درجہ کے ضبط کی صلاحیت نہیں پیدا ہوسکی کہ وہ قانونی جزئیات و فروع میں ’آفاقیت‘ کے تصور کو جذب کر سکے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک کی ترقی میں اسلام سے کہیں زیادہ قومیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لیے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے‘ بلکہ اُلٹے مضر اثرات کا قوی اندیشہ ہے۔‘‘(۲۲)

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مولانا امینؒ جدید تدوین میں دیگر فقہاء کی فقہ سے استفادہ کے قائل نہیں۔ وہ نہ صرف اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’جن مسائل میں حالات و تقاضہ کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہو یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ان میں مختلف مسالک اور اختلافاتِ فقہاء سے ضرور مدد لی جائے کہ اس کے بغیر موجودہ اور آئندہ حالات کے پیش نظر اس کام کی اور کوئی بہتر شکل نہیں ہے۔‘‘(۲۳)

بالغ نظر فقہاء کا ماننا ہے کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد کے حوالہ سے کُلی طور پر جمود کبھی طاری نہیں رہا‘ بلکہ جزوی

اور انفرادی طور پر ہی سہی اجتہاد ہر دور میں جاری رہا۔ چنانچہ بعض حلقوں کا یہ کہنا کہ فقہ پر مکمل طور پر جمود چھا گیا ہے، محلِ نظر ہے۔ (۲۴)

مولانا محمد تقی امینی کا تجزیہ اس حوالے سے بڑا معتدل اور دور رس ہے۔ مولانا کے نزدیک اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ''مجددین'' نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا' البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی قوم و ملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ گویا یہ اجتہادی عمل کسی نہ کسی صورت اور رفتار کے ساتھ چلتا رہا۔ ایسا نہیں ہوا کہ یہ عمل بالکل رک گیا ہو۔ چنانچہ یہ کہنا کہ فقہ اسلامی پر مکمل طور پر جمود طاری ہے اور اجتہادی عمل کلیتاً مفلوج ہو چکا ہے' یہ اسلام دشمنوں کو یہ کہنے کا جواز مہیا کر رہا ہے کہ اسلام ایک نظامِ حیات نہیں ہے اور معاشرتی و سماجی تبدیلیوں کے حوالہ سے اس کے ہاتھ خالی ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ بدلتی ہوئی معاشرتی و سماجی حالت کے مطابق جس اجتہادی عمل کی تیزی کی ضرورت اور احتیاج تھی' اس میں ہمارے بعد کے فقہاء اس سرعت اور دقیقہ نظری کا مظاہرہ نہیں کر سکے جو ان کے پیشرو کر گئے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمارے بعد کے فقہاء کو وہ ماحول اور حالات میسر نہیں آئے جن حالات میں متقدمین نے فقہ کی تدوین کی۔ گویا ہمارے بعد کے فقہاء معاشرہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکے اور یہی ان کا قصور متصور کیا جاتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد یہ سمجھا جانے لگا کہ فقہ کا کافی ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے وہ اجتہادی صلاحیت اور فقہی بصیرت جو متقدمین کے ساتھ خاص تھی' آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اس کے دیگر عوامل یہ تھے:

(۱) اجتہاد کے لیے بلند ہمتیں درکار تھیں' وہ نسلاً بعد نسلٍ کم ہوتی گئیں۔

(۲) اپنے مسلک کے لیے تعصب پایا جانا۔

(۳) سابقہ لوگوں کے اقوال کا ایسا احترام جس سے کہ ان کی مخالفت جائز نہ رہے۔

مولانا محمد تقی امینی ؒ کے نزدیک فقہ میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا' بلکہ یہ بند ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ علماء جو اجتہاد کے دروازہ کے بند ہونے کا فتویٰ جاری کر چکے ہیں ان میں اور اپنے قول میں مولانا تطبیق یوں کرتے ہیں کہ شاید ان کے ماحول و حالات نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے یہ باب بند کر دیا تو اس کے نہ وہ مجاز تھے اور نہ ہم مکلّف ہیں۔ ہمیں تو ان جدید مسائل کے حوالے سے جو آج عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے' اپنا کردار ادا کرنا ہو گا' تاکہ ہم اپنی آئندہ نسلوں اور خدا کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔ وہ لوگ جو چند جزئیات میں مناسب تبدیلی نہ ہونے کی بنا پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے' ان کے حوالہ سے مولانا رقمطراز ہیں کہ:

> ''چند فقہی جزئیات میں تبدیلی نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدیوں سے اجتہاد کا سلسلہ بند ہے' تاریخ دانی اور قوم کی مزاج شناسی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔''(۲۵)

جس طرح ایک طبیب کا کام مریض کی طبیعت میں اعتدال پیدا کر کے مرض کو ختم کرنا ہوتا ہے اور اس کی

دوا اور غذا کے حوالہ سے وہ موسم اور آب و ہوا کے مطابق تبدیلی کرتا ہے تو یہی معاملہ اس دور کے مجتہدین کا تھا اور اس طبیب کی طرح ان کی جملہ اجتہادی صلاحیتیں ایک ہی کام کے گرد چکر لگاتی رہتی تھیں۔

عصرِ حاضر میں اجتہاد کی عملی صورتیں

مولانا امینیؒ کے نزدیک وہ صورتیں جن میں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے' ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) موقع و محل کی تعیین میں اجتہاد

(۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد

(۳) دشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد

(۱) موقع و محل کی تعیین میں اجتہاد: حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے' لیکن موقع و محل کی تعیین کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر شہادت کے بارے میں گواہوں کی عدالت کے حوالہ سے ذکر ہے:

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (۲۶)

''اور اپنوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔''

اور عدالت کی تعریف یہ ہے کہ 'عدالت'' ایک ملکہ (راسخ صلاحیت) ہے جو تقویٰ اور مروت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ نیز'' مروّت'' کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ معاشرتی حوالہ سے گھٹیا باتوں اور اُن چیزوں سے جنہیں لوگ معیوب سمجھتے ہیں' بچنے کو'' مروّت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ عادل میں یہ صفات ہونی چاہئیں۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو ظاہراً وہ تمام خوبیاں رکھتا ہو لیکن اس کا باطن اور اخلاق و کردار انتہائی بدنما ہو' اس کے برعکس ایک شخص ظاہراً ان صفات پر پورا نہ اترتا ہو لیکن اس کا باطن اور اخلاق و کردار بہت بلند ہو تو اس صورت میں اس کی شہادت کا کیا حکم ہوگا؟ عموماً حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔ لیکن مولانا امینیؒ کے نزدیک یہ معیار درست نہیں' بایں طور کہ کسی انسان کی محض ایک بات میں شریعت کی خلاف ورزی سے اس کی پوری زندگی داغدار نہیں بنائی جاسکتی۔ اس حوالہ سے وہ اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ''مقامی حالات اور معاشرتی ضروریات کی بنا پر ہر دور میں 'عدالت' کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے ان حالات اور مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ 'عدالت' کا نیا معیار مقرر کرنا اور اس پر 'شاہد' کو جانچنا ہر دور کا اہم ترین کام ہے۔''(۲۷)

(۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد: نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد کی چار صورتیں ہیں:

(۱) قرآن' سنت اور اجماع سے جو صریح احکام ثابت ہیں ان کے الفاظ و معانی میں غور کر کے فقہاء کے اصولوں کے تحت حکم دریافت کیا جائے۔

(۲) وہ مسائل جو حل شدہ ہیں ان میں پائی جانے والی علت کا اطلاق نئے مسئلہ پر کر کے حکم دریافت کیا جائے۔

(۳) نظائر (مثالیں) اور مشابہ احکام نہ ملنے پر معتبر مصالح کو معیار بنا کر نئے مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔

(۴) اصول وکلیات یا استصلاح واستدلال وغیرہ سے مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔

اس حوالے سے مولانا امینؒ لکھتے ہیں:

''...... نئے مسائل کا حل ناممکن نہیں ہے' فقہائے کرام نے اتنا سرمایہ جمع کر دیا ہے کہ اس کے ذریعہ فقہ ہمیشہ ضروریاتِ زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔ البتہ اس کے لیے محنت' ژرف نگاہی اور اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے اور وقت کے اہم مسائل نہ حل کیے گئے بلکہ اجتہادی کام کا سلسلہ ہی بند ہو گیا تو پھر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو کر دین و شریعت کا صرف نام باقی رہے گا۔''(۴۸)

(۴) دشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد: بعض اوقات حالات و معاشرتی خرابی یا بیماری و معذوری وغیرہ کی بنا پر کسی منصوص حکم کا غیر منصوص شکل پر عمل دشوار ہوتا ہے' ان حالات میں کوئی ایسی صورت تلاش کی جاتی ہے جس میں حکم کا احترام اور اس کی روح بھی برقرار رہے اور سہولت کی راہ بھی نکل آئے۔ یعنی لوگوں کے لیے آسانی کی ایسی راہ نکالی جائے کہ نص کی مخالفت بھی نہ ہو اور نص کی اطاعت کی صورت بھی نکل آئے' تاکہ حالات یا زمانہ کے بدلنے سے لوگوں نے محض غیر معمولی دشواری اور مشکل کی وجہ سے جس منصوص حکم پر عمل چھوڑ دیا ہے تو اجتہاد کے ذریعہ سے لوگوں کو واپس اس منصوص حکم کی اطاعت کی طرف واپس لایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قرآن کا تدریجاً نزول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام احکامات اکٹھے نازل نہیں فرمائے بلکہ اس میں لوگوں کی مجبوریوں اور بیماریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج کے ساتھ قرآن نازل فرمایا۔ شراب کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جب کسی حکم پر عمل دشوار ہو تو حکم کی روح اور اس کا احترام برقرار رکھتے ہوئے سہولت تلاش کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقہ کار

مولانا امینؒ نے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت ہی پر زور نہیں دیا بلکہ اجتہاد کے طریقہ کار اور اس کے خدوخال کے حوالے سے بھی ان کے پاس ایک مکمل سسٹم اور میکنزم موجود ہے۔ چنانچہ ان کا اجتہادی طریقہ کار اور لائحہ عمل محض رومانوی و افسانوی نہیں بلکہ قابلِ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ عمل بھی ہے۔ مولانا کے نزدیک دلائل سے مسائل کا تعلق قائم کرنے میں یہ ترتیب ملحوظ رہنی ضروری ہے کہ اصل قرآنِ حکیم ہے' سنت اس کی تشریح ہے اور اجماع اور قیاس وغیرہ کا درجہ اس کے بعد ہے۔ نیز اجتہاد میں نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ورنہ جو صورت یہودیوں کے اجتہاد میں پیش آئی تھی وہی پیش آئے گی۔

(۱) اجتہاد میں معاشرتی مصالح کی رعایت

ہم سب جانتے ہیں کہ احکاماتِ الٰہیہ دفعتاً نازل نہیں ہوئے' بلکہ اس میں انسانی طباع مزاج اور معاشرتی وسماجی مصالح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ وہ چیزیں جو نبوت کے ابتدائی سالوں میں حرام نہ تھیں انہیں تدریجاً حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ اسلام نے اس باب میں ترتیب اور معاشرتی مصالح کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ آج بھی انہی بنیادوں پر قائم ہے جن پر چودہ صدیاں قبل قائم تھی۔ مولانا امینؒ کے نزدیک اجتہاد کے طریقہ کار میں معاشرتی مصالح کا بھرپور التزام کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ معاشرہ کو قانون سازی کی بنیاد

قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔ جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل و صورت بدلے گی اور جب احوال و مصالح (حالات و واقعات اور مصلحتیں) باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔''(۲۹)

چونکہ معاشرہ کی حالت یکساں نہیں رہتی اس لیے اجتہاد میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ معاشرتی تبدیلیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی جاذبیت قائم رکھے۔

(۲) اجتہاد کی شورائی حیثیت

دورِ حاضر میں شورائیت کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا امینی کا تجزیہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اجتہاد شورائی بنیادوں پر ہوگا۔ اگرچہ انفرادی اجتہاد بھی جاری رہے گا لیکن دیرپا وہی اجتہاد رہے گا جو شورائی بنیادوں پر کیا جائے گا۔ اس نقطہ نظر سے فقہ حنفی ہی وہ فقہ ہے جو ہماری مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی شورائیت پر قائم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ چالیس کے قریب جید علماء و فقہاء کی مجلسِ مشاورت میں مرتب کی۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی ایک مسئلہ کو پیش کیا جاتا' جس پر تمام فقہاء قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی رائے پیش کرتے اور پھر جس کی بات وزنی ہوتی وہ قبول کر لی جاتی۔ اس کی سب سے بڑی مثال امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ (جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں) کے اختلافات ہیں۔ یعنی اس شوریٰ میں ہر ایک کو کھل کر اپنی بات بیان کرنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ آج فقہ حنفی کے تقریباً ساٹھ فیصد فتاویٰ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے اجتہادات پر مبنی ہیں۔

مولانا امینیؒ کے ذہن میں بھی شورائیت کا یہی تصور قائم تھا۔ لیکن اس میں وہ اتنا اضافہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ اس شوریٰ کو صرف علماء و فقہاء کی شوریٰ نہیں دیکھتے بلکہ ان کے نزدیک اس میں ڈاکٹرز' انجینئرز' ملکی قانون کے ماہرین اور اسی طرز پر دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بطور مددگار کے شامل ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور و فکر کے نتیجے میں کیا جانے والا اجتہاد اگر ان شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوا یا ان کے علم سے متصادم ہوا تو اس کی افادیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور اس کے الٹے نقصانات بھگتنا پڑیں گے۔ چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر مولانا تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اس شورائیت کا حصہ مانتے ہیں۔ مولانا امینیؒ رقمطراز ہیں:

''موجودہ حالات و ضروریات کے پیش نظر اجتہاد کے لیے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے کہ علماء کی ایک صاحبِ صلاحیت مجلس زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کر کے باہمی تعاون کے ذریعہ ان کا حل تلاش کرے۔''(۳۰)

علماء کی یہ مجلس جو اجتہادی مسائل حل کرے گی یہ پرائیویٹ سطح پر ہو تو بہتر ہے۔ چونکہ مولانا کے نزدیک جدید تدوین امام ابوحنیفہؒ کی طرز پر ہی ممکن ہے اور ان کی فقہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ حکومتی سرپرستی میں مرتب نہیں ہوئی تو شاید اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس اجتہادی جماعت کا پرائیویٹ ہونا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ مجلس مشاورت ’’پرائیویٹ‘‘ اور نجی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ حکومت کی نگرانی میں زیادہ توقع نہیں ہے کہ آزادانہ غور و فکر کا پورا موقع مل سکے گا۔ پھر قدیم تدوین کے وقت بھی یہ کام نجی طور پر ہی کیا گیا تھا۔ اگر ’پرائیویٹ‘ کی صورت نہ بن سکے تو اہل حل وعقد (اہلِ اقتدار واختیار) کے انتخاب میں کم از کم اس امر کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ حکومت زدہ افراد اس سے علیحدہ رکھے جائیں۔ ایسے افراد کی شناخت ان کے گزشتہ علمی اور عملی کاموں سے کی جاسکتی ہے۔‘‘(۳۱)

امتِ مسلمہ کے موجودہ حالات وادبار کو سامنے رکھا جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالات کے تناظر میں مولانا امینیؒ نے ایک بہترین منہج تجویز کیا ہے جس پر چل کر جدید مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

(۳) اجتہادی مسائل کے حل کے لیے مجلس کی ضرورت

اجتہاد کے طریقہ کار کے حوالہ سے مولانا اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

’’اجتہاد کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کی صلاحیت رکھنے والوں کی ایک مجلس قائم کی جائے‘ جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین ہوں‘ ایسی مجلس (امام ابوحنیفہ کی سربراہی میں) فقہ حنفی کی تدوین کے وقت بھی قائم تھی‘ جس میں تقریباً چالیس افراد تھے۔‘‘(۳۲)

ایک اور جگہ مولانا اجتہاد کے طریقہ کار کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

’’طریقِ اجتہاد کے بارے میں صحابہ کرام ؓ اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے کہ اجتہادی امور میں غور وخوض اور ان کے حل کے لیے صاحب صلاحیت افراد کی ایک مجلس قائم تھی۔ موجودہ حالات کا بھی تقاضا یہی ہے کہ صلاحیت رکھنے والے افراد کی ایک مجلس قائم کی جائے جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین موجود ہوں‘ کچھ افراد نمایاں حیثیت رکھنے والے ہوں اور باقی کی حیثیت مشیر ومددگار کی ہو۔‘‘(۳۳)

مولانا کے نزدیک قانون کی ترتیب وتنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے اتار چڑھاؤ سے متعلق ہوتا تو زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہ تھی۔ چند احکام ومسائل کے موقع محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعہ وقت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں‘ جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ لیکن اس وقت کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے‘ اس بنا پر چند مسائل کے الٹ پھیر سے بات نہ بنے گی‘ بلکہ فروعی نظام میں ترمیم وتنسیخ اور اضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہے اور اصولی نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب وتنظیم کا جامہ پہنانا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل جِدّوجُہد کے بغیر نہیں انجام پاسکتا۔ اس لیے یہ سمجھ لینا کہ محض چند جزئیات کی تبدیلی سے کام چل جائے گا درست نہیں ہوگا‘ کیونکہ اس باب میں بڑی محنت ہونے والی ہے۔

جیسا کہ سابقہ سطور سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ مولانا امینیؒ کے نزدیک موجودہ دور میں اجتہادی مسائل کے حل کے لیے ایک علمی مجلس کا ہونا ضروری ہے‘ کیونکہ یہ اہم کام انفرادی سطح پر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس علمی مجلس کی حدود وقیود سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

’’اس مجلس کو اونچے پیمانہ پر نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی۔ البتہ اخذ و

استفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی‘ نہ تو بالکلیہ آزاد وخود رائے ہوگی اور نہ وقت ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی۔ بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل وبصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات ومقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے گی۔ اگر کسی مسئلہ میں نصِ صریح (واضح قرآنی آیت اور مستند حدیث) یا تعلیلِ صحیح (مستند نص سے اخذ کردہ) متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق وتلاش کر کے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلف اپنے آپ کو نہ جانے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے‘ خواہ اطمینانِ قلبی حاصل ہو یا نہ ہو‘ نیز موجودہ حالت کے وہ مطابق ہو یا نہ ہو۔‘‘(۳۴)

(۴) مجلسِ اجتہاد کے استفادے کے چند اصول

مجلس کو اس کام کی انجام دہی کے لیے فقہی مواد سے جس قسم کے استفادہ کی ضرورت ہوگی‘ مولانا امینی اس کے لیے درج ذیل امور کی نشاندہی کرتے ہیں:

(۱) قرآنی احکام کے موقع ومحل کی تعیین میں سیرتِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلہ میں روایت ودرایت دونوں سے کام لینا۔

(۳) اجماعی مسائل (متفقہ مسائل) کے انداز اور ان کے نوک پلک کو سمجھنا۔

(۴) قیاس میں حکمت وعلت کے امتیاز کو برقرار رکھنا اور استنباطِ مسائل میں ہر ایک کے کردار سے واقف ہونا۔

(۵) قانونی ماخذ استحسان (قیاس ہی کی ایک قسم)‘ استصلاح (ضرورت ومصلحت کی بنا پر مسائل اخذ کرنا) اور استدلال (اس کا تعلق استنباط کے کسی مخصوص طریقہ سے نہیں) سے مسائل کے استنباط میں اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ متقدمین نے ان سے کس وقت کام لیا اور کن اسباب کی بنا پر یہ ماخذ قرار پائے؟

(۶) تعامل (صحابہ کا عمل) اور عرف ورواج (جمہور کی عادت) کو استعمال کرنے کے لیے فقہاء کے طریقہ اور ضابطہ کو ملحوظ رکھنا۔

(۷) ملکی قانون (جن سے کسی کلی اصول پر زد نہ پڑتی ہو) سے استفادہ میں اس وسعت وفراخی اور طریقِ کار کو ملحوظ رکھنا جو صحابہ کرامؓ نے مختلف ممالک کے قوانین کے باب میں اختیار کیا۔

(۸) فقہی اصول وکلیات (قواعد کلیہ) سے استدلال میں فقہاء کے طرزِ عمل کو رہبر بنانا۔

(۹) فقہی احکام میں تخفیف وسہولت (سفر‘ مرض‘ اکراہ وغیرہ) کے اسباب کو برمحل منطبق کرنا۔

(۱۰) اختلافِ فقہاء کے اسباب پر گہری نظر رکھنا اور حالات کا صحیح تجزیہ کر کے ان سے فائدہ اٹھانا۔(۳۵)

مولانا کے نزدیک مجموعی حیثیت سے یہ سب امور اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق بہترین کام انجام پا سکتے ہیں۔

(۵) مجلسِ اجتہاد کی ذمہ داریاں

مولانا امینی کی نظر میں مجلس کو مندرجہ ذیل کام کرنا ہوں گے:

(۱) مسلم پرسنل لاء (عائلی قوانین) کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بنا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔
(۲) پرسنل لاء پر عمل درآمد کے لیے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالہ کی تدبیروں پر غور و فکر کر کے عملی قدم اٹھانا۔
(۳) ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار جنہوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار و عذابِ جان بنا دیا ہے۔ اور ان کے ازالہ کے لیے شرعی، اخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔
(۴) نئے پرسنل لاء کی تدوین اور اس کو منظور کرنے کی کوشش کرنا۔
(۵) پرسنل لاء کو نافذ کرنے کے لیے شرعی حاکم کے لیے جدوجہد۔
(۶) جدید مسائل کی فہرست مرتب کر کے ترتیب وار ان کو حل کرنا۔(۳۶)

مولانا کے نزدیک اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی اور اس حوالہ سے اجتماعی اقدامات نہ کیے گئے تو مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ مذہب سے بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ مولانا کے نزدیک یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ غالباً آخری وقت ہے، اگر اب بھی یہ کام نہ ہو سکا تو قوم و ملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔

(۶) مسائل کے حل کا طریق کار

مولانا امینؒ کی تجویز کردہ اس مجلس میں مسائل کس طرح حل کیے جائیں گے؟ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''صورت یہ ہو کہ پہلے حل طلب مسائل کی روح اور مقصد میں غور کیا جائے کہ شارع کے پیش نظر ان کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور کس قسم کی مضرت کا دفعیہ (انسداد) ہو سکتا ہے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ ان احکام کو مزاج اور ذہنیت کی تبدیلی سے کتنا تعلق ہے؟ نیز موجودہ معاشرتی حالت اور سماجی زندگی کس حد تک ان کی روح اور اصلی کردار کو جذب و انگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ اس بات کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ شارع کے پیشِ نظر ان مسائل کی صرف روح اور معنی مقصود ہیں یا قالب اور صورت بھی مقصود و متعین ہیں۔ اگر دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، معاشرتی حالت کو بتدریج ان کے قابل بنانے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر یہ مسائل پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو معاشرہ اور تمدنی تبدیلی کے ساتھ ان کی صورت میں تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ لیکن ہر حال میں روح اور مقصد نظر انداز نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ مفید نتیجہ کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔''(۳۷)

چنانچہ اگر اس طریقہ سے جدید اجتہادی مسائل کو حل کیا گیا تو اس کے حوصلہ افزا اور مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ جوامت کی رہنمائی میں معاون ثابت ہوں گے۔ مولانا امینؒ کے نزدیک بعض صورتیں ایسی ہوں گی جن کا حل آسان ہوگا۔ صرف اصول و کلیات اور ضرورت و مصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی۔ اس صورت میں اختلافِ ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی۔ لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطہ سے انحراف جائز نہ ہوگا۔ ورنہ شریعت ہوا و ہوس، ذاتی خواہشات اور سہل پسندی کا ''بازیچہ'' بن جائے گی اور اس طرح اس پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

عصرِ حاضر میں فقہی اجتہاد کے درجات

مولانا امینیؒ کے نزدیک فقہی اجتہاد کے دو درجے ہیں:

(۱) اصول وکلیات (اجتہادی مآ خذ وقواعد) میں اجتہاد جن پر احکام ومسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور جن سے مسائل کا تعلق جوڑا جاتا ہے۔

(۲) احکام ومسائل میں اجتہاد جو اصول وکلیات سے مستنبط ہوتے ہیں‘ خواہ یہ مسائل اصول کی ترتیب وتدوین کے وقت موجود رہے ہوں یا بعد میں پیش آئے ہوں۔(۳۸)

مولانا امینیؒ کی رائے میں پہلے درجہ پر اتنی زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیونکہ فقہاء نے اس قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے کہ اس پر کام کرنے میں زیادہ وقت پیش نہیں آئے گی۔ البتہ ان کے نزدیک اس میں مندرجہ ذیل کام ہو سکتے ہیں:

☆ اصولِ قانون کو نئے انداز میں مرتب کرنا تاکہ افادہ اور استفادہ کی صورت عام ہو سکے۔

☆ جن تشریحات وتوضیحات کو زمانہ کے مقتضیٰ (تقاضوں) نے ختم کر دیا ہے ان کی جگہ انہی کی روشنی میں نئی تشریحات وتوضیحات قائم کرنا۔

☆ اصول کی اس انداز میں تنقیح (تجزیہ وتحلیل) کرنا کہ باہمی اختلاف کا سلسلہ کم ہو اور بتدریج فقہ کو قومی وملکی سطح سے بین الاقوامی سطح پر لانے میں سہولت ہو۔(۳۹)

دوسرے درجہ کا اجتہاد ہی دراصل اہم کام ہے اور اس کی اہمیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ’’رہ گیا دوسرے درجہ کا اجتہاد تو وہ ایسی ناگزیر حقیقت ہے کہ ہر دور میں اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے۔ اگر یہ سلسلہ نہ جاری رکھا گیا تو فقہ کے ایک حصہ کو عملی ضروریات سے کوئی تعلق نہ باقی رہے گا۔‘‘(۴۰)

چنانچہ اجتہاد کا مذکورہ طریقہ کار اجتہاد کے اسی درجہ میں ہوگا کیونکہ اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دورِ حاضر میں اجتہاد میں حائل دشواریاں

دورِ حاضر میں اجتہاد کے نتیجے میں پیش آنے والی معاشرتی وسماجی تبدیلیوں کو سمیٹنے میں کئی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگرچہ قرآن وسنت‘ صحابہ کرامؓ کا عمل اور فقہاء کا علمی سرمایہ سب محفوظ ہیں‘ لیکن پھر بھی ان سے استفادہ میں درج ذیل دشواریوں کی نشاندہی مولانا امینیؒ کرتے ہیں:

> ’’(۱) مذہب کی نمائندگی جس انداز سے ہو رہی ہے اس میں بڑی حد تک فکر وعمل کی وہی خصوصیتیں موجود ہیں جو دورِ زوال کی یادگار ہیں اور جن کو زمانی تبدیلیوں نے پائمال بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس امر پر سب کو اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ لیکن ان شعبوں کی تعبیر وتفسیر میں اب تک سرمایہ دارانہ وجاگیردارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔
>
> (۲) ہر سمجھ دار آدمی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بہت سے ملکی‘ تنظیمی اور معاشرتی قوانین حالات وزمانہ کی رعایت کیے بغیر اپنی افادیت برقرار نہیں رکھ سکتے‘ لیکن یہ ’’تسلیم کرنا‘‘ صرف زبانی ہے۔ شرعی

امور میں عملاً اب تک کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکا۔

(۳) موجودہ ترقیات اور بدلے ہوئے حالات سے سب مرعوب ومتاثر ہیں' لیکن مرعوبیت اور تاثر کا ظہور دو مختلف طریقوں سے ہو رہا ہے۔ ایک طبقہ حدود وقیود کو نظر انداز کر کے سب کچھ قبول کرنے میں خوش ہے اور دوسرا ماتم کرنے اور گریز وفرار کی راہ اختیار کرنے میں مگن ہے۔ مضطرب و غیر مطمئن نہ یہ طبقہ ہے اور نہ وہ ہے۔ پھر عدل واعتدال کی ضرورت کس کو پیش آئے؟ اور اس کی راہیں کیونکر کھلیں؟

(۴) عدل واعتدال کی توقع متوسط طبقہ سے ہوسکتی تھی' لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ متوسط طبقہ کا عملاً اب تک وجود نہیں ہے۔ بعض حضرات کی خواہشیں یقیناً قابل قدر ہیں لیکن وہ صرف خواہشیں ہیں جو معمولی آزمائش کے وقت نہایت نیک نامی کے ساتھ دب جاتی ہیں اور پھر چند دنوں کے لیے ابھر آتی ہیں۔ ان خواہشات کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی مؤثر طاقت ہے اور نہ بے چین کر دینے والا احساس۔

(۵) یہ کام جرات وہمت اور کھلے دماغ کے ساتھ براہِ راست غور وفکر کے بغیر نہیں انجام پا سکتا۔ لیکن مذہب کے نام پر مختلف برادریاں اور گروہی تعلقات کی جکڑ بندیاں کچھ اس طرح گرفت میں لیے ہوئے ہیں کہ ان سے صرفِ نظر کر کے جرأت وہمت کے مظاہرہ کی توقع بے سود ہے اور ان کو ساتھ لے کر کھلے دماغ کے ساتھ کسی فیصلہ کی امید بے کار ہے۔'' (۴۱)

یہ وہ حالات ہیں جن کے باعث موجودہ دور میں اتنا فقہی سرمایہ ہونے کے باوجود ہم اجتہاد کے حوالہ سے کوئی قابلِ قدر کام نہیں کر پا رہے۔ اگر ان مشکلات پر قابو پایا جا سکے تو ہم موجودہ دور میں اجتہاد کے خدوخال واضح کر کے اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں اجتہاد میں احتیاط

چونکہ اجتہاد کا کام انتہائی نازک ہے اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذمہ داری اور نیک نیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجتہادی احکام مستنبط کرے۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط وقید کے آزادانہ رائے کے اعتبار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نااہل لوگ یہ کام کرنے لگ جائیں گے تو پھر اجتہاد کی اہمیت وافادیت بھی سوالیہ نشان بن جائے گی۔ چنانچہ اہل لوگ ہی اجتہاد کے حقدار ہوں گے۔ یہ اہل لوگ کون ہوں گے اور ان کی صلاحیتیں کیا ہوں گی اس حوالہ سے مولانا نے کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ موجودہ دور میں اجتہاد کی نزاکت اور مشکلات کا ان کو بھرپور احساس ہے اور اس کی جھلک ان کی تحریروں میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''موجودہ دور میں 'جدید تدوین' کا کام حالات وضروریات کے پیش نظر جس قدر زیادہ اہم ہے اسی قدر نازک اور مشکل بھی ہے۔ اس کے نوک پلک درست کرنے کے لیے بڑی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کی ضرورت ہے۔ 'خورد بینی' کی نگاہیں اس سلسلہ میں بیکار ثابت ہوں گی۔ 'حقیقت بینی' کی نگاہوں کے بغیر اس راہ میں قدم اٹھانا مزید خطرات کو دعوت دینا ہوگا۔''(۴۲)

دورِ حاضر میں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو ہر امر میں سہولت اور ہر حکم میں رعایت تلاش کرتا ہے' حتیٰ کہ وہ احکام جو مسلّمہ اور غیر مبدّل ہیں ان میں بھی رعایت اور خود ساختہ آسانی کا متلاشی ہے۔ مولانا کے مطابق:

''مذہبی قانون کے معاملہ میں یہ رعایت اور زیادہ 'نزاکت' اختیار کر لیتی ہے' کیونکہ قانون کے کردار اور اثر کا تعلق بڑی حد تک روح اور مزاج ہی سے وابستہ ہے۔ جب اس سے غفلت ہوتی گئی تو قانون مؤثر ہونے کے بجائے خود 'متاثر' ہونے لگتا اور رفتہ رفتہ اپنی 'قوتِ جاذبہ' ختم کر کے معاشرتی ناہمواریوں اور بشری کمزوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ پھر اس کی حیثیت ایک رسم یا محض 'ضابطہ' کے خانہ پُری کے باقی رہ جاتی اور داخلی زندگی سے متعلق تقریباً ساری افادی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔''(۴۳)

حوالہ جات

(۱) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۵: قدیمی کتب خانہ' کراچی' س۔ن

(۲) مرجع سابق

(۳) مرجع سابق' ص ۳۶۶۔۳۶۵

(۴) مرجع سابق' ص ۳۶۶

(۵) خیر محمد رمضان نے مولانا امینی کا ذکر بڑے عمدہ انداز میں کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ویعد من العلماء العاملین فی مجال تدوین الفقه الاسلامی من جدید' وقد عکف علی ذلك الی آخر حیاته' واستطاع ان یؤلف کتبا ذات اهمیة علمیة حول الفقه الاسلامی و مراعاة الظروف فی الاحکام الشرعیة

''آپ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی فقہ کے اصولوں پر دورِ جدید کے مسائل کا حل پیش کرنے کے لیے عملی کام کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی عمل میں مشغول رہے۔ چنانچہ آپ نے فقہ اسلامی اور احکام شرعیہ سے متعلق بڑی اہم کتب تصنیف کیں۔'' (تفصیل ملاحظہ ہو خیر محمد رمضان' تتمہ الاعلام للزرکلی' ج ۲' ص ۱۳۵ :دارالعلم للملایین' بیروت' ۲۰۰۲ء)

(۶) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۷۔۳۶۶

(۷) یہ مولانا کی نامکمل اردو تفسیر ہے۔ ماہنامہ ''حکمت قرآن'' لاہور میں سورۃ الفاتحہ سے سورۃ آل عمران تک قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اگر زندگی مہلت دیتی تو اردو تفاسیر میں ایک عمدہ اضافہ ہوتا۔ راقم کا اسے ایڈٹ کرنے کا ارادہ ہے۔

(۸) جاوید احسن فلاحی صاحب نے ''مولانا محمد تقی امینی: حیات و خدمات'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا ہے' جس پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہندوستان) نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے۔ نیز علی گڑھ ہی سے مولانا امینی پر ایم فل سطح کے دو تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان ہی کے ایک شخص غلام احمد خان صاحب نے مولانا امینی کی متعدد کتب کا انگریزی اور اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

(۹) پاکستان میں اب تک مولانا امینی پر محض ایک تحقیقی مقالہ ''مولانا محمد تقی امینی کی فقہی خدمات'' کے عنوان سے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی (ملتان) سے لکھا گیا ہے جو راقم کا تحریر کردہ ہے۔ عنقریب یہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

(۱۰) صبحی محمصانی' ڈاکٹر' فلسفہ شریعت اسلام' ص ۱۷۹' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۷۰ء

(۱۱) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضراتِ فقہ' ص ۳۳۲۔۳۳۱' الفیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور' ۲۰۰۵ء

(۱۲) ضیاء الدین احمد' دانائے راز' ص ۱۳۵' غضنفر اکیڈمی' کراچی' ۱۹۸۳ء
(۱۳) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۱۸' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۹۸۸ء
(۱۴) محمد عثمان' ڈاکٹر' فکر اسلامی کی تشکیلِ نو' ص ۱۴۵' سنگ میل پبلیکیشنز' لاہور' ۱۹۸۷ء
(۱۵) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۳۸
(۱۶) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۲: قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۹۹۱ء
(۱۷) مرجع سابق' ص ۳۵۶
(۱۸) مرجع سابق' ص ۲۰۔۱۹
(۱۹) اس کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور ۱۸۷۶ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کا پہلا مدون اور کوڈیفائیڈ (codified) سول لاء تھا جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔
(۲۰) یہ عظیم الشان کام تیس چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد مکمل ہوا ہے اور اس کام میں عرب دنیا کے بہترین دماغ استعمال ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے اہلِ علم نے اسلامی فقہ اکیڈمی کے زیر انتظام اس کتاب کی متعدد مجلدات کا اردو ترجمہ کر دیا ہے جو شائع بھی ہو چکا ہے۔
(۲۱) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۰
(۲۲) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۲۰
(۲۳) مرجع سابق' ص ۵۹
(۲۴) چراغِ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۲۷۰: دفتر چراغِ راہ' کراچی' ۱۹۵۸ء
(۲۵) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۳۷
(۲۶) سورۃ الطلاق' آیت: ۲
(۲۷) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۵۸
(۲۸) مرجع سابق' ص ۳۶۱۔۳۶۰
(۲۹) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۲۱' الفیصل تاجران و ناشران کتب' لاہور' س۔ن
(۳۰) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۷۷
(۳۱) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۲
(۳۲) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۴
(۳۳) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۴
(۳۴) مرجع سابق' ص ۶۶
(۳۵) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۶۸۔۶۷
(۳۶) مرجع سابق' ص ۷۹
(۳۷) مرجع سابق' ص ۳۴
(۳۸) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۴۸
(۳۹) مرجع سابق' ص ۲۴۹
(۴۰) مرجع سابق' ص ۲۵۰
(۴۱) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۲۵۔۲۴
(۴۲) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۴
(۴۳) مرجع سابق' ص ۵۶